التجا

بشیر مالیر کوٹلوی

منٹو اسٹریٹ، نزد پنجاب اردو اکیڈمی، مالیر کوٹلہ (پنجاب)، موبائل:9417423788

اُن دِنوں میری ڈیوٹی مردم شماری کے کام میں لگا دی گئی تھی۔ سروے کرنے والے ملازمین کی ڈیوٹی لِسٹ ڈی۔سی آفس سے ہی بن کر آئی تھی۔ آفیسروں کی چمچہ گیری کرنے والوں کو شہروں کی ڈیوٹیاں مل گئی تھیں۔ میرے جیسے نئے ملازمین کو گاؤں گاؤں بھٹکنے کے لیے بھیج دیا گیا تھا۔ پچپن کے لپیٹے کے بابو امرناتھ کو دور دراز کے گاؤں دیہاتوں میں مقرّر کر دیا گیا تھا۔ امرناتھ اکثر بیمار رہتے تھے۔ اُن کو اچانک بخار آ گیا۔ مجھ سے عاجزانہ کہنے لگے اشرف بیٹے میری مجبوری ہے تم اکیلے ہی سروے کر لینا۔ دو تین دن ریسٹ کر کے میں تمھیں جوائن کر لوں گا۔ ایس۔ڈی۔ایم آفس کو میں سنبھال لوں گا۔ کوئی کچھ نہیں کہے گا۔

اُس دن بلا کی گرمی تھی۔ میں دس بجے کے قریب اُس گاؤں میں پہنچ گیا تھا۔ پٹوار خانے پہنچ کر میں نے اپنی موٹر سائیکل کھڑی کر کے حلقہ پٹواری سے گاؤں کے بارے میں معلومات حاصل کر کے میں نے سروے کا کام شروع کر دیا۔ آسمان سے جیسے آگ برس رہی تھی۔ گاؤں کے لوگ سورج کے قہر سے بچنے کے لیے، اپنے اپنے گھروں میں چھپ کر بیٹھے تھے۔ گلیوں میں کوئی اکّا دکّا آدمی نظر آ رہا تھا۔ کھیتوں میں کام کرنے والے سورج کے پرگٹ ہونے سے پہلے ہی گھروں سے نکل پڑتے تھے۔ بارہ بجے کے قریب میں نے دس گھروں کا سروے کر لیا تھا۔ گیارہواں گھر میرے سامنے ایک کشادہ حویلی تھی۔ پھاٹک پر پہونچ کر میں نے اندر دیکھا تو سامنے بندھے ہوئے جرمن شیفرڈ کُتّے نے میرا کام آسان کر دیا۔ وہ مجھے دیکھتے ہی بھونکنے لگا۔ حویلی کا وسیع صحن پار کر کے، ایک خاتون میرے قریب آئی۔ میں نے بڑے ادب سے اپنا مدعا بیان کیا۔

میری بات سُن کر وہ بولی ''ٹھیک ہے آپ گلی کی طرف کھلنے والی ہماری بیٹھک کے دروازے پر آ جاؤ۔ میں دروازہ کھولتی ہوں۔'' میں بیٹھک میں داخل ہوا۔ قیمتی فرنیچر کو بڑی عمدگی کے ساتھ سجایا ہوا تھا۔ سامنے خوبصورت صوفہ سیٹ تھا۔ ساتھ ہی دیوان بچھا ہوا تھا۔ دونوں دروازوں اور کھڑکیوں پر ریشمی پردے آویزاں تھے۔ خاتون نے سیلنگ فین آن کیا تو گرم ہوا جسم کو بڑی ناگوار محسوس ہوئی۔ دوسرے لمحہ ہی لپک کر اُس نے ائیر کولر کا سوئچ دبایا تو ٹھنڈی ہوا کے جھونکے بھی ڈرتے ڈرتے کمرے میں سرگرداں ہونے لگے۔ اپنا بیگ فرش پر ٹکا کر میں نے سر پر بندھا رومال اُتار کر چہرے سے پسینہ صاف کیا اور اپنی شرٹ کا اوپر والا بٹن کھولا۔ تھوڑی دیر بعد خاتونِ خانہ میرے لیے ٹھنڈے پانی کا گلاس لے آئی۔ بلا تکلف میں نے ٹرے سے گلاس اُٹھایا اور غٹا غٹ پی گیا۔ اپنے اندر ٹھنڈک اُتار کر میں نے ایک لمبی سانس لی اور بیگ سے رجسٹر نکال لیا۔ قلم سنبھال کر میں خاتون سے مخاطب ہوا ''کسی آدمی کو بھیج دیجئے، دو چار سوال پوچھ کر میں اپنا کام نپٹا لوں گا۔۔۔!''

وہ مُسکرا کر مجھ سے بولی ''دیکھو جی۔۔۔! ہمارے سردار جی آج پٹیالہ گئے ہیں۔ عدالت میں اُن کی پیشی ہے۔ ہمارا کاکا (بیٹا) تھاپر کالج چلا گیا۔ آپ کو جو پوچھنا ہے مجھ سے ہی پوچھ لیں۔۔۔!''

وہ بڑے پُرکشش حُسن کی مالک تھی۔ بھرا بھرا سا جسم، رنگ ایسا جیسے مکھن پر زعفران رنگ بکھر گیا ہو، وہ پچاس کی تھی، مگر اُس کے چہرے پر، اُس کی عمر نے کوئی نشان نہیں چھوڑا تھا۔ اُس کے سیاہ بالوں کے درمیان ایک سفید لٹ اُس کی عمر کا راز فاش کر رہی تھی۔ اُس نے اپنا نام پرجیت کور اور شوہر کا نام سرجیت سنگھ باجوہ لکھوایا۔ تمام کالم پُر کرنے کے بعد میں نے اُس سے دستخط لیے اور آخر میں اپنے دستخط دیے۔

میرے دستخطوں کو بڑے غور سے دیکھتے ہوئے اُس نے سوال کیا۔

''یہ، اے اے تو میں نے پڑھ لیا۔ یہ آگے آپ نے کیا لکھ دیا۔۔۔!؟''

میں نے برجستہ جواب دیا ''جی۔۔۔خان۔۔۔!!''

وہ چونکی۔۔۔''اے۔اے خان، پورا نام کیا ہوا۔۔۔!؟''

رجسٹر بیگ میں رکھتے ہوئے میں نے اُسے بتایا''اشرف علی خان۔۔۔!''

اُس نے میری طرف گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا ''پٹیالہ کے رہنے والے ہو۔۔۔!؟''

بیگ کی ژپ لگا کر میں بولا''جی۔۔۔ میں مالیر کوٹلہ کا رہنے والا ہوں اور پٹیالہ میں سروس کرتا ہوں۔۔۔!''

وہ کچھ سوچتی ہوئی بڑبڑائی۔''ہم۔۔۔۔اچھا۔۔۔اچھا۔۔۔!''

بیگ سنبھال کر، میں اُٹھنے ہی لگا تھا کہ وہ ادائے دلبرانہ دکھا کر بولی ''ایسے تو میں آپ کو جانے نہ دوں گی۔۔۔!''

اُس کا اچانک لہجہ بدلتے دیکھ کر میں چونکا۔ وہ بولی''باؤ جی اس حویلی میں آ کر کچھ کھائے پیے بغیر کوئی نہیں جا سکتا۔۔۔!!''

میں نے کھڑے کھڑے معذرت چاہتے ہوئے کہا''پرمجیت جی۔۔۔! کام بہت ہے۔ مجھے چار دنوں میں پورے گاؤں کا سروے کرنا ہے۔۔۔!''

وہ حویلی کے اندر کی طرف مُڑی اور جاتے جاتے بولی۔۔۔''بس تھوڑا رُک جایئے، لسّی پی کر جایئے گا۔۔۔!''

ازراہِ اخلاق میں بیگ ٹیبل پر ٹکا کر بیٹھ گیا اور گھر کا جائزہ لینے لگا۔ دروازے کے سامنے ایک نیا ٹریکٹر اور لگژری کار کھڑی تھی، ساتھ ہی موٹے ٹائروں والی جیپ دیکھ کر محسوس ہوا کہ گاؤں کے بڑے زمیندار ہیں۔ میں سوچنے لگا یہ عورت مجھے ادائے دلبرانہ کیوں دکھانے لگی۔۔۔؟ جوان بچّوں کی ماں ہے۔ میں ابھی اُس کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ وہ اندر سے ایک ٹرے میں لسّی کا پیتل کا بڑا گلاس اور ایک پلیٹ میں چار لڈّو لے آئی۔

ٹرے ٹیبل پر رکھ کر اپنی قمیص کا گلا کھینچ کر واٹر کولر کے آگے کھڑی ہوگئی اور بڑبڑائی۔۔۔''توبہ توبہ۔۔۔! آج تو آسمان سے جیسے آگ برس رہی ہے۔۔۔!'' پھر وہ میری طرف پلٹ کر مُسکرا کر بولی۔۔۔''کیا بات ہے کچھ لیا نہیں۔۔۔ ارے، لڈّو تو کھاؤ باؤ جی، موتی چور کے ہیں۔۔۔!''

اچانک لڈّو اُٹھا کر میرے منھ میں ڈالنے کے لیے وہ میرے نزدیک آ گئی۔ گہرے نیلے رنگ کی قمیص میں سے اُس کا کھلا ہوا گورا گورا بدن دیکھ کر مجھے جھرجھری آ گئی۔ میں نے لڈّو اُس کے ہاتھ سے پکڑ لیا اور تھوڑا پیچھے ہٹ گیا۔ اُس نے قمیص کا گلا درست کیا اور بڑی ظالم مُسکراہٹ کے ساتھ میرے سامنے بیٹھ گئی اور مجھے مسحور کُن نظروں سے نہارتی رہی۔ میں لڈّو کھانے لگا، اُس نے دلچسپی لیتے ہوئے مجھ سے سوال کیا۔

''شادی ہوگئی باؤ جی۔۔۔!؟''

رومال سے منھ صاف کر کے میں بولا''ابھی منگنی ہوئی ہے، آنے والی سردیوں میں شادی ہو جائے گی۔۔۔!''

وہ کھل کھلا کر ہنس پڑی اور بولی''ہاں جی۔۔۔! شادی کا مزہ تو سردیوں میں ہی آتا ہے۔۔۔۔!'' بات کر کے وہ خود ہی جھینپ گئی اور بولی''لولو۔۔۔!لسّی پیو باؤ جی۔۔۔۔!''

میں لسّی پینے لگا، وہ سامنے بیٹھی مُسکرا مُسکرا کر مجھے گہری نظروں سے دیکھتی رہی۔ خالی گلاس رکھ کر میں نے رومال سے منھ صاف کیا اور جانے کے لیے کھڑا ہوا تو اُس نے میرا بازو پکڑ لیا۔ میں بوکھلا گیا اور دل میں سوچنے لگا، کیسی بدتمیز عورت ہے۔ میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اُس نے ادائے دلبرانہ دکھاتے ہوئے کہا''تھوڑا اور رُک جاتے مجھے آپ سے کوئی کام ہے۔۔۔!''

میں خاموش تھا اور دل ہی دل میں اُسے گالیاں دے رہا تھا کہ جان نہ پہچان اور ڈورے ڈالنے لگی۔ سچ تو یہ ہے کہ میرے اوپر خوف طاری ہوگیا۔ میں نے سوچا کہ اگر میں نے اس کی کسی بات سے انکار کیا تو یہ عزّت کا واسطہ دے کر شور مچا دے گی۔ گاؤں والوں سے پٹوں گا الگ اور ابھی کچّی نوکری ہے۔ سرکار سیدھا گھر بھیج دے گی۔ میرے ماتھے پہ پسینے آنے لگے۔ میں اُسے کہنے ہی والا تھا کہ پرمجیت جی۔۔۔ میں ایسا ویسا آدمی نہیں ہوں، پلیز مجھے جانے دیں۔ میں بولا۔۔۔ ''جی۔۔۔! مجھے کام ہے۔۔۔!''

وہ مجھے کھینچ کر دیوان پر اپنے بالکل قریب بٹھاتے ہوئے بولی۔۔۔

''کام کام۔۔۔! یہ بھی کوئی کام ہے باؤ جی۔۔۔!؟ میں اپنی بیٹھک میں بیٹھے بیٹھے سارے گاؤں کی سوچنا دے دوں گی۔۔۔ دستخط کرواتے رہنا۔۔۔!''

اس نے کھڑے ہو کر اِدھر اُدھر نظر دوڑائی اور بڑبڑائی۔۔۔''ایک منٹ۔۔۔!''

اُس ایک منٹ میں میرے اوپر قیامت چھا گئی، اُس نے دونوں دروازے اور بڑی وِنڈو کے پٹ بند کر دیے اور اُن پر پردے پھیلا دیے۔ اب معاملہ میری برداشت سے باہر ہو گیا۔ میں غصّہ میں بپھر گیا۔ میں ایک شریف لڑکا تھا، میں نے تو کسی لڑکی کو آنکھ بھر کر نہیں دیکھا تھا اور یہ عورت مجھے دیکھ کر رال ٹپکانے لگی۔ میری مٹھّیاں بھنچ گئیں۔ میں اُس کا دماغ درست کرنے کے لیے تیار ہو گیا۔ میرے اندر کا آتش فشاں پھٹنے ہی والا تھا۔ وہ پردے درست کر کے مُڑی، اُس نے اپنے سر پر اچھی طرح دوپٹہ اوڑھا اور میرے قریب بیٹھ گئی اور التجا بھرے لہجے میں بولی۔۔۔ ''جو چاہو مجھ سے لے لو۔۔۔ بس ایک بار۔۔۔۔!''

میں تقریباً چیخ اُٹھا۔۔۔ ''ایک بار کیا۔۔۔!!؟''

وہ بولتی گئی۔۔۔ ''بس ایک ۔۔۔۔ ایک بار، اذان پڑھ کر سُنا دو۔۔۔!''

میں ایک دم جیسے ڈھیر ہو گیا۔ جیسے میرا وجود پگھل کر بہنے لگا۔ میری سننے اور سمجھنے کی طاقت جیسے جاتی رہی۔ مجھے محض۔۔۔! اُس کے ہونٹ ہلتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ وہ کہہ رہی تھی۔۔۔ ''اس ملک کی تقسیم نے میرا سب کچھ چھین لیا۔ میں بھی کبھی مُسلمان تھی۔ میرا نام فاطمہ شیخ تھا۔ اُس خونی دور میں میرے ابّو، میرے بھائی سب قتل ہو گئے۔ سرجیت مجھے بچا کر اپنے گھر لے آیا اور مجھ سے شادی کر لی۔ اب میرے دو بچّے ہیں، میں روزانہ اپنی بیٹی کے ساتھ گردوارے جاتی ہوں۔ اب میں سکھ ہوں۔ مگر۔۔۔۔!؟''

میں نے آہستہ سے سوال کیا۔۔۔ ''مگر کیا۔۔۔!؟''

آنسو بہاتے ہوئے وہ چھاتی پیٹ کر بولی ''چالیس سال بیت گئے ابھی بھی میرے سینے میں کلمہ گونجتا ہے۔۔۔! میرے ابّا شیخ محمد حسن ہمارے گاؤں کی مسجد میں اذان دیا کرتے تھے۔ یہاں دور دور تک کوئی مسجد آباد نہیں۔ بہت سال پہلے پٹیالہ گئی تھی میں اپنے سردار کے ساتھ، میں نے اذان سُننے کی خواہش ظاہر کی تو وہ سخت ناراض ہوا۔ اذان کے بول سننے کے لیے میں تڑپ رہی ہوں۔''

''بھائی اشرف ۔۔۔ تیرا بھلا ہو۔۔۔ بس ایک بار۔۔۔۔ ایک بار اذان کے بول سُنا دو۔۔۔۔!''

وہ ہچکیاں لے کر زار و قطار رو رہی تھی۔ میں ٹھگا سا اُس کے سامنے مجرم کی طرح کھڑا تھا۔ میری زبان جیسے پتھرا گئی تھی۔

کوشش کے باوجود میرے ہونٹوں سے اذان کے مُقدّس الفاظ نکل نہیں پا رہے تھے۔

◆◆◆

مولانا ابوالکلام آزاد: شخصیت اور کارنامے

بیسویں صدی کے عظیم مذہبی، فکری، سیاسی پیشوا مولانا ابوالکلام آزاد کی برگزیدہ شخصیت اور ان کے علمی، عملی کارناموں پر اہم دستاویز۔

اردو اکادمی، دہلی نے ''مولانا ابوالکلام آزاد: شخصیت اور کارنامے'' کے عنوان سے جو کل ہند سمینار منعقد کیا تھا اس میں پڑھے جانے والے مقالے اس کتاب میں یکجا کر دیے گئے ہیں جو چھ حصوں میں تقسیم ہیں۔ سیرت و شخصیت، سیاست، مذہب، ادبی نثر، صحافت اور شاعری۔ اس کتاب میں جو مقالے شامل کیے گئے ہیں ان میں کوشش کی گئی ہے کہ مولانا کی شخصیت اور کارناموں کے ہر پہلو پر خاطر خواہ روشنی پڑ جائے۔

مولانا کی شخصیت اور کارناموں سے مکمل آگاہی کے لیے اس کتاب کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔ تقریباً دو سو صفحات پر مشتمل مولانا کے مکمل سوانح حیات درج کیے گئے ہیں اور مولانا کی تاریخی اور اہم ترین تصویریں بھی شامل کی گئی ہیں۔

مرتب: ڈاکٹر خلیق انجم، صفحات: ۵۰۲، قیمت: ۱۵۰ روپے (پانچواں ایڈیشن)

اردو اکادمی، دہلی